حدیث مرسل سے استدلال کے اسباب واثرات

(علامہ ظفر احمد عثمانی کی تالیف مقدمۃ اعلاء السنن کا اختصاصی مطالعہ)

Derivation from Hadith-e-Mursal: Reasons and effects (Specific Study of Allāma Zafar Aḥmad Uthmānī's Muqadimah I'lā-al-Sunan)

محمد طارق رمضان *

ڈاکٹر محمد فیروزالدین شاہ کھگہ **

ABSTRACT

Since the ḥadīth scholars have remarkably contributed towards cultivation and codification of the science of ḥadīth. They initiated discussing technical issues in the transmission of ḥadīth and brought about a matchless knowledge in the history of world academia. Mursal ḥadīth is one of the manifestation of this technical discourse which has been an object of discussion in view of its relaiabilty and status. Allāma Zafar Aḥmad Uthmānī (d 1394/1974) a well-known sub-continental ḥadīth scholar and prolific religious intellicual also narrated the status of mursal narrations in his magnum opus titled "I'lā-al-sunan" comprehensivlly. In this article, his view point about mursal and the impact of diffirence of openion on it along with a discription discribing causes of reliability on mursal narration has been penned down meticulously while elucidating the issue with some examples.

Keywords: *Mursal, Ḥadīth, I'lā-al-sunan, Allāma Zafar Aḥmad Uthmānī, Uloom-al-Hadith.*

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامی وعربی علوم، جامعہ سرگودھا

** صدر شعبہ اسلامی وعربی علوم، جامعہ سرگودھا

حدیثِ مرسل کا مفہوم

لغوی اعتبار سے "رسل" کا لفظ دراصل باب افعال سے ارسال کے وزن پر اسم مفعول ہے اور اس کا مادہ "ر س ل" ہے، لغۃً یہ مادہ کئی ایک معانی پر مشتمل ہے علی سبیل المثال چھوڑنا، غالب آنا، مسلط کرنا، بھیجنا وغیرہ کیے جاتے ہیں جیسا کہ فیروزآبادی رقمطراز ہیں: "والارسال: التسليط والاطلاق والاهمال والتوجيه"(۱) اسی وجہ سے رسول کو مرسل بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کی طرف بھیجتے ہیں، ارسال کے اسی معنیٰ کو اس آیت میں استعمال کیا گیا ہے: "اَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا"(۲) چونکہ ایسی حدیث جس میں ارسال ہو، وہ تب ہی مرسل کہلاتی ہے جب اس کا راوی سند کو پورا بیان نہیں کرتا اور تکمیل روایت سے پہلے ہی چھوڑ دیتا ہے۔

ارسال کا لفظ دیگر معانی کے علاوہ تیزی اور جلدی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً تیز رفتار اونٹنی کو "ناقة مرسال" کہا جاتا ہے: "وناقة مرسال: سهلة السير من مراسيل"(۳) گویا ارسال کرنے والے راوی نے جلدی کی اور حدیث کی سند کا ایک حصہ حذف کر دیا۔ ابن منظور افریقی (م ۷۱۱ھ / ۱۳۱۲ء)، حدیثِ مرسل کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں: "وحديث مرسل اذا كان غير متصل الاسناد ، وجمعه مراسيل"(۴) (اور حدیثِ مرسل وہ ہے جس کی سند متصل نہ ہو اور اس کی جمع مراسیل ہے۔)

حدیث مرسل کا اصطلاحی مفہوم محدثین اور فقہاء کے نزدیک مختلف ہے، محدثین نے حدیث مرسل کی مختلف تعریفیں کی ہیں، جن میں چند اہم تعریفات بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ حدیثِ مرسل وہ ہے جس کو کوئی جلیل القدر اور بڑا تابعی نبی کریم ﷺ سے روایت کرے اور اپنی اس روایت میں وہ صحابی کا واسطہ چھوڑ دے۔(۵)

---

(۱) فیروز آبادی، مجد الدین محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، س ط ۱۴۲۶ھ)، ص ۱۰۰۶

(۲) مریم ۱۹:۸۳

(۳) القاموس المحیط، ص ۱۰۰۶

(۴) ابن منظور الافریقی، محمد بن مکرم، لسان العرب (بیروت: دار الصاد، س ن)، ج ۳، ص ۱۶۴۵

(۵) ابن صلاح، ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمٰن، علوم الحدیث لابن صلاح، (دمشق: دار الفکر، ۱۴۰۶ھ)، ص ۵۱

۲۔ حدیث مرسل وہ ہے جس کی سند میں انقطاع ہو چاہے وہ انقطاع کہیں پر بھی ہو گویا مرسل حدیث منقطع کے معنیٰ میں ہے، امام نوویؒ (م۶۷۶ھ /۱۲۷۸ء) نے مسلم کے مقدمہ کی شرح میں اس قول کو فقہاء، اصولیین، ابو بکر خطیب البغدادی (م۴۶۳ ھ / ۱۰۷۱ء) اور محدثین کی ایک جماعت کی طرف منسوب کیا ہے۔[۱] حافظ ابن الصلاح (م643ھ / ۱۲۴۵ء) رحمہ اللہ نے بھی علوم الحدیث میں محدثین کے نزدیک مرسل، منقطع اور معضل کا فرق بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ فقہ اور اصولِ فقہ میں معروف ہے کہ اس قسم کی احادیث کو مرسل کہا جاتا ہے اور یہی مذہب محدثین میں سے ابو بکر خطیب البغدادی کا ہے۔[۲]

اصولیین کے نزدیک حدیثِ مرسل:

فقہاء اور اصولیین کے نزدیک حدیث مرسل کی تعریف میں توسع ہے۔ ان حضرات کے نزدیک حدیث مرسل اس کو کہا جاتا ہے جس کی سند میں کہیں بھی کوئی راوی گرا ہوا ہو اور سند منقطع ہو۔ یعنی محدثین کی اصطلاح میں جس حدیث کو منقطع کہا جاتا ہے، اصولیین وفقہاء اس کو مرسل کا نام دیتے ہیں اور غیر متصل حدیث کی تمام اقسام یعنی منقطع، معضل، معلق، مدلس، مرسل خفی اور مرسل، ان سب کو حدیث مرسل ہی کہتے ہیں۔ علامہ سیف الدین آمدی الشافعیؒ (۶۳۱ھ / ۱۲۳۳ء)[۳] حدیث مرسل کی تعریف میں کہتے ہیں:

"اختلفوا فی قبول الخبر المرسل وصورته: ما اذا قال من لم یلق النبی ﷺ وکان عدلاً قال رسول الله "[۴]

حدیث مرسل کے قبول کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ جب کوئی ایسا عادل راوی جس کی آپ ﷺ سے ملاقات نہ ہوئی ہو وہ کہے قال رسول اللہ ﷺ۔

---

(۱) النووی، محی الدین یحیی بن شرف، المنہاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج، (الریاض: بیت الافکار الدولیۃ، ۱۴۲۱ھ)، ص۲۹

(۲) علوم الحدیث لابنِ صلاح، ص۵۳

(۳) علی بن ابی علی بن محمد الثعلبی بن سیف الدین الآمدی (۵۵۱ھ /۱۱۵۷ء-۶۳۱ھ / ۱۲۳۳ء) مسلک شافعیہ کے معروف فقیہ اور فلسفی ہیں۔ آپ کی رحلت صفر ۶۳۱ ھ /نومبر ۱۲۳۳ء میں ہوئی۔ مزید دیکھئے: خیر الدین الزرکلی، الأعلام (قاہرہ: دار العلم للملایین)، ج۴، ص ۳۳۲

(۴) الآمدی، الامام علی بن محمد، الاحکام فی اصول الاحکام، (الریاض: دار الصمیعی، س ط ۱۴۲۴ھ)، ج۲، ص۱۴۸

اصولیین کے نزدیک مرسل اس راوی کی حدیث ہے جو آپ ﷺ سے ملا نہ ہو برابر ہے کہ وہ تابعی ہو یا تبع تابعی ہو، اصولیین کی تفسیر، محدثین کی تفسیر سے عام ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ فقہاء کا اختلاف اس حدیث مرسل میں ہے جو علماء اصول کی اصطلاح میں ہے۔

مرسل روایت کے اسباب:

اس ضمن یہ بحث بھی بہت اہمیت کی حامل ہے کہ ارسال پر ابھارنے والے اسباب کیاہیں، کیونکہ جب کوئی راوی حدیث کو متصل بیان کرنے کے بجائے مرسلاً بیان کرتا ہے تو اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ اور سبب مخفی ہوتا ہے، ان اسباب میں سے چند اہم کا تذکرہ کیاذیل میں بیان کیاجاتا ہے:

۱۔ ارسال کرنے والے راوی نے حدیث کو کئی ثقہ شیوخ سے سنا اور حدیث کی صحت اس کے نزدیک ثابت شدہ تھی، اس لئے وہ اپنے شیوخ پر اعتماد کرتے ہوئے حدیث کو مرسلاً بیان کرتا ہے۔

۲۔ ارسال کرنے والے راوی کو اپنے اس شیخ کا نام بھول گیا جس سے اس نے حدیث سنی تھی، البتہ اس کو حدیث کا متن یاد تھا، اس لئے اس نے شیخ کا تذکرہ کیے بغیر حدیث کو مرسل نقل کر دیا۔

۳۔ بعض اوقات راوی ارسال اس لئے کرتا ہے کہ وہ حدیث کو بطورِ روایت بیان نہیں کرتا بلکہ یاد رکھنے یا فتویٰ وغیرہ دینے کی غرض سے بطور سہولت سند کو چھوڑ کر صرف متن ذکر کر دیتا ہے اور عام طور پر ان جیسے مواقع پر صرف متن ہی ذکر کیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ سبب اس مرسل میں پایا جاسکتا ہے جو اصولیین کی اصطلاح میں ہے کہ مرسل راوی ساری سند یا سند کے ایک بڑے حصہ کو حذف کر دے، ورنہ محدثین کی اصطلاح میں جو مرسل ہے اس میں یہ سبب نہیں پایا جاسکتا کیونکہ صرف ایک راوی کا نام چھوڑ دینے میں کوئی سہولت نہیں۔

۴۔ بعض اوقات راوی ارسال اس لیے کرتا ہے کہ اس نے حدیث جس راوی سے سنی ہے وہ ضعیف ہے اگر وہ اس کا نام لیتا ہے تو لوگ اس کی روایت کو قبول نہیں کریں گے۔

۵۔ بعض اوقات راوی ارسال اس لئے کرتا ہے کہ حدیث تو اس کے نزدیک ثابت اور صحیح ہوتی ہے مگر اس کی سند میں ایک راوی ایسا ہوتا ہے جو اس کے نزدیک تو عادل ہوتا ہے مگر اس راوی میں دوسرے محدثین کا کلام ہوتا ہے لہٰذا وہ اس متکلم فیہ راوی کو حذف کر دیتا ہے تاکہ کوئی اس کی حدیث میں اعتراض نہ کرے۔

۶۔ بعض تابعین نے ارسال اس لئے کیا کہ ان کا زمانہ آپ ﷺ کے زمانہ کے قریب تھا اور صدق وامانت کا غلبہ تھا اس لئے تساھلاً وہ صحابہ کا ذکر کیے بغیر حدیث کو مرسل بیان کر دیتے تھے۔

۷۔ کتب اور صحائف پڑھ کر روایت کرنا بھی ارسال کا ایک سبب ہے۔ کیونکہ مرسِل راوی نے حدیث براہِ راست تو کسی سے سنی نہیں ہوتی بلکہ وہ محض کسی کتاب یا صحیفہ سے پڑھ کر مکمل سند ذکر کیے بغیر اس کو آگے روایت کر دیتا ہے۔ (۱)

مرسل روایت کی بحث اور مقدمہ اعلاء السنن:

علامہ ظفر احمد عثمانی (۲)ؒ نے مقدمہ اعلاء السنن میں پانچویں فصل حدیث مرسل کے بارے میں "احکام المرسل من الاحادیث والاخبار والمدلس منها والمعلق والمنقطع والمعضل" کے عنوان سے پیش کی ہے جس میں

---

(۱) ان اسباب کا تذکرہ ابن ابی حاتم کی کتاب "المراسیل" کے مقدمہ میں کیا گیا ہے۔ ابن ابی حاتم، ابو محمد بن عبد الرحمٰن الرازی، کتاب المراسیل، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، س ط ۱۴۱۸ھ)

(۲) مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو دیوبند، ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ آپ کا ننہال تھانہ بھون سے تعلق رکھتا ہے اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی والدہ محترمہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی حقیقی ہمشیرہ تھیں اور آپ حضرت تھانوی کے خواہرزادہ اور حقیقی بھانجے تھے۔ نو سال کی عمر میں مولانا عثمانی کو دارالعلوم دیوبند میں داخل کروایا گیا جہاں فارسی اور عربی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ جب آپ کی عمر ۱۲ سال کی ہوئی تو آپ کے والد محترم نے آپ کو مولانا تھانوی کے پاس تھانہ بھون بھجوادیا۔ مزید تعلیم کی غرض سے مدرسہ جامع العلوم کانپور تشریف لے گئے۔ مولانا عثمانی نے ۱۳۲۵ھ میں دورہ حدیث کیا۔ حضرت تھانویؒ نے ۱۳۲۷ھ میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو تکمیل درسیات (معقولات، فلسفہ اور ہیئت) کے لئے دارالعلوم دیوبند بھیجنا چاہا۔ انہی دنوں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کا مراسلہ، حضرت تھانویؒ کے نام آگیا کہ مولوی ظفر احمد عثمانی کو آپ مظاہر العلوم میں بھیج دیں۔ آپؒ کا کل زمانہ تعلیم سات سال کی عمر سے اٹھارہ سال کی عمر تک ہے اور انیس سال کی عمر میں مظاہر العلوم سہارنپور میں مولانا عثمانیؒ کا بطور مدرس تقرر ہو گیا۔ پانچ مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کا موقع نصیب ہوا۔ مولانا نے عربی اور اردو زبانوں میں مختلف علوم وفنون میں طبع آزمائی فرمائی۔ جس میں علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، سیرت اور تصوف کے ساتھ ساتھ متنوع جولان گاہیں شامل ہیں۔ علم تفسیر میں مولانا ظفر احمد عثمانی کا ایک اہم علمی کارنامہ احکام القرآن علی مسائل ابی حنیفۃ النعمان ہے، علم حدیث میں اعلاء السنن، فقہ میں امداد الاحکام فی مسائل الحلال والحرام اور القول الماضی فی نصب القاضی، براۃ عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ متعدد کتب تحریر کیں۔ ۸ دسمبر ۱۹۷۴ء کو آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کے احوال وآثار کی تفصیل مزید کے لئے دیکھئے: مولانا عبد الشکور، تذکرۃ الظفر، (فیصل آباد: مطبوعاتِ کمالیہ، ۱۹۷۷ء)، نیز محمد اکبر شاہ بخاری، مقالات عثمانی (لاہور: بیت العلوم، س ن)۔

حدیثِ مرسل کے بارے میں احناف کے مؤقف کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے، علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے حدیثِ مرسل کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"المرسل:ماحذف من آخراسناده وهوقول التابعی قال رسول الله ﷺ كذااوافعل كذاوقديطلق الارسال على الحذف مطلقاً فی ای موضع كان۔"(۱)

مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند کے آخر سے کوئی راوی گرا ہوا ہو اور وہ تابعی کا (براہِ راست) رسول اللہ ﷺ کے قول یا فعل کو نقل کرنا ہے اور بسا اوقات ارسال کا لفظ، سند میں کسی بھی واسطہ میں انقطاع پر بولا جاتا ہے۔

قرونِ ثلاثہ کے بعد کی مراسیل اور قبولیت کا معیار:

ان تین طبقات کے علاوہ مرسل روایت، بعض حنفی فقہاء کے نزدیک قبول ہے جبکہ بعض حضرات کے نزدیک مردود ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر ثقہ اور عادل راوی، مرسلا روایت کرے تو اسے بالاتفاق قبول کر لیا جائے گا، اور اگر راوی ثقات اور غیر ثقات سے مرسلاً روایت کرے تو احناف میں سے ابو بکر محمد بن زکریا الرازی (م ۳۷۰ھ / ۹۴۲ء)(۲)، مالکیہ میں سے ابو الولید الباجی (م ۴۷۴ھ / ۱۰۸۱ء)(۳) ایسی روایت کے عدم قبول کے قائل ہیں(۴) اور اسی پر اجماع ہے۔ مندرجہ بالا مؤقف پر علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر راوی

---

(۱) العثمانی، ظفر احمد، اعلاء السنن (بیروت: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۱ء)، ج۱۸، ص۸۸۶۹، ۸۹۳۱

(۲) آپ عظیم فقہی، اصولی اور محدث تھے، آپ الجصاص کے لقب سے بھی پہچانے جاتے تھے۔ آپ ۳۰۵ھ میں رے میں پیدا ہوئے اور بعد ازاں بغداد منتقل ہو گئے جہاں آخر وفات تک مقیم رہے۔ امام کرخی، حاکم نیشاپوری جیسے عظیم شیوخ سے کسب فیض کیا، احکام القرآن اور شرح مختصر طحاوی وغیرہ کتب تالیف کیں۔ دیکھئے: الحافظ القرشی، الجوھر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ، ج۱، ص۲۲۳؛ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ج۴، ص۳۱۴

(۳) آپ عظیم فقیہ اور اصولی عالم، مفسر اور محدث تھے۔ آپ ذوالفنون کے لقب سے بھی مشہور تھے، ۴۰۳ھ میں اندلس کے شہر باجۃ میں پیدا ہوئے اور ۴۷۴ھ میں وفات پائی۔ عہدہ قضاء پر بھی فائز رہے۔ حافظ مشرق خطیب بغدادی اور حافظ مغرب ابن عبد البر جیسے مشاہیر نے بھی آپ کے علوم سے استفادہ کیا۔ ابن حزم اور آپ کے درمیان کافی مصاحبت و مجالست رہی۔ آپ کی تصانیف میں مؤطا کی شرح "المنتقیٰ" اور "احکام الفصول فی احکام الاصول" معروف ہیں۔ دیکھئے: ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج۲، ص۴۰۸؛ الذھبی، تذکرۃ الحفاظ، ج۳، ص۱۱۷۸

(۴) محمد بن ابراھیم الحلبی الحنفی، قفو الاثر فی صفو علوم الاثر، (الحلب: مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، ۱۴۰۸ھ)، ص۶۶

ثقات اور غیر ثقات دونوں سے روایت کرے تو صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی مرسل روایات کے علاوہ باقی تمام رواۃ کی مراسیل پر جرح کی جاسکتی ہے، احناف کے نزدیک صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی روایت مطلقاً قبول ہیں۔ علامہ سیف الدین آمدی نے اپنی کتاب الاحکام میں بیان کیا ہے:

"اختلفوا فی قبول الخبر المرسل، وصورته:ما اذا قال من لم یلق النبی ﷺ وکان عدلاً :قال رسول الله ﷺ کذا، فقبله ابو حنیفةومالک واحمد بن حنبل فی اشهر الروایتین عنه وجماهیر المعتزلة وفصل عیسی بن ابان-من الحنفیة- فقبل مراسیل الصحابة والتابعین وتابعی التابعین ومن هو من ائمة النقل مطلقاً دون من عدا هولاء"(۱)

محدثین نے خبرِ مرسل کو قبول کرنے میں اختلاف کیا ہے اور اسکی صورت یہ ہے کہ جس شخص کی نبی کریم ﷺ سے ملاقات نہ ہوئی ہو اور وہ عادل ہو، یوں کہے: قال رسول اللہ ﷺ کذا، پس امام ابو حنیفۃ (م۱۵۰ھ /۷۶۷ء)، امام مالک، امام احمد بن حنبلؒ (م۲۴۱ھ /۸۵۵ء) کی دو مشہور روایات میں سے ایک، معتزلہ کی ایک جماعت نے اس کو قبول کیا ہے، جبکہ حنفیہ میں سے عیسی بن ابانؒ (م۲۲۰ھ /۸۳۵ء) صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور آئمہ جرح وتعدیل کی مراسیل کو مطلقاً قبول کرتے ہیں، ان کے علاوہ نہیں۔

اسی طرح مرسل روایت کے قبول کرنے میں، امام شافعیؒ کی قیود اور باقی آئمہ کے اقوال کو دیکھتے ہوئے تو محسوس ہوتا ہے کہ مرسل روایت کو قبول کرنے میں سب کا متفقہ معیار، راوی کا عادل ہونا ہے اور اس کی تائید دو دلائل: اجماع اور عقل سے ہوتی ہے۔(۲)

اجماع کی مثال:

صحابہ رضی اللہ عنھم اور تابعین رضی اللہ عنھم نے عادل رواۃ کی مراسیل قبول کرنے پر اتفاق کیا ہے جیسا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (م۶۸ھ /۶۸۷ء) نے نبی کریم ﷺ سے صرف چار احادیث ہی کی سماعت کی ہے کیونکہ ابھی ان کا بچپن ختم نہیں ہوا تھا کہ نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا تھا، اس کے باوجود عبد اللہ بن عباس رضی

(۱) اعلاء السنن، ج۱۸، ص۸۹۳۱-۸۹۳۲

(۲) اعلاء السنن، ج۱۸، ص۸۹۳۲-۸۹۳۳

اللہ عنھم کا شمار کثیر الروایات صحابہ میں ہوتا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایات کو قبول کیا کرتے تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے کو بہت اہمیت دیا کرتے تھے۔(۱)

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ، براء بن عازب (م ۷۲ھ) رضی اللہ عنہ کا اسی طرح کا ایک قول نقل کرتے ہیں:

"ما کل ما نحدثکم به سمعناه من رسول الله ﷺ،ولکن سمعنابعضه وحدثنا اصحابنا ببعضه"(۲)

جو کچھ بھی ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو بیان کرتے ہیں، یہ سب کا سب ہم نے آپ ﷺ سے ہی نہیں سنا بلکہ اس میں سے کچھ تو آپ ﷺ سے خود سنا ہے اور کچھ ہمارے ساتھی (صحابہ کرام) نے ہم سے بیان کیا ہے۔

تابعین کی عادت، اخبار اور روایات کو مرسل بیان کرنے کی ہے جیسا کہ اعمشؒ (م ۱۴۷ھ) کا قول ہے کہ میں نے ابراھیم النخعی (م ۹۶ھ) سے پوچھا کہ جب آپ مجھے حدیث بیان کرتے ہیں تو کیا اس کو مسنداً بیان کرتے ہیں؟، ابراھیم النخعیؒ نے جواب دیا کہ جب میں یہ کہوں کہ فلاں نے مجھے عبد اللہ سے ایک روایت بیان کی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسی ایک راوی نے مجھے عبد اللہ سے ایک روایت بیان کی ہے اور جب میں یہ کہتا ہوں کہ عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ روایت بیان کی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ رواۃ کی ایک جماعت نے مجھے یہ روایت، عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔(۳) اسی طرح عبد اللہ بن المسیب اور الشعبیؒ کی مراسیل بہت مشہور ہیں۔(۴)

عقلی دلیل:

جب عادل اور ثقہ راوی یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا، تو اسے، اس روایت کے صحیح ہونے کا یقین ہوتا ہے اور وہ اس روایت کو درست سمجھ کر ہی بیان کرتا ہے، کیونکہ اگر اسے معلوم ہوتا یا اسے شک ہوتا کہ نبی

---

(۱) اعلاء السنن، ج۱۸، ص ۸۹۳۳

(۲) اعلاء السنن، ج۱۸، ص ۸۹۳۳

(۳) اعلاء السنن، ج۱۸، ص ۸۹۳۳۔۸۹۳۴

(۴) اعلاء السنن، ج۱۸، ص ۸۹۳۴

کریم ﷺ نے ایسا کچھ نہیں کہا تو اس روایت کو بیان نہ کرتا اور یہ ان رواۃ کی تعدیل کی ایک صورت بھی ہے جن سے ثقہ اور عادل راوی، روایت نقل کرتے ہیں۔(۱)

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے تدریب الراوی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ احناف کے نزدیک مرسل روایت کو قبول کرنے کا دارومدار قرونِ ثلاثہ میں موجود راویوں تک ہے اور قرون ثلاثہ کے بعد کے رواۃ کی مرسل روایت کو مطلقاً قبول نہیں کیا جائے گا، اس مؤقف کے پس منظر میں احناف افشائے کذب والی حدیث کو اپنا مستدل قرار دیتے ہیں، جس کے الفاظ اس طرح ہیں:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ : خَطَبَنَا عُمَرُ بِالجَابِيَةِ فَقَالَ : يَا أَيُّهَا النَّاسُ ، إِنِّي قُمْتُ فِيكُمْ كَمَقَامِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِينَا فَقَالَ : أُوصِيكُمْ بِأَصْحَابِي ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ، ثُمَّ يَفْشُو الكَذِبُ---(۲)

اس حدیث کا نقطہ استدلال یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین و تبع تابعین کے زمانوں کے بعد یعنی قرونِ ثلاثہ کے بعد جھوٹ کی روش عام ہوگئی اور روایات میں کذب کا افشاء مشاہدہ میں آنے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ ابن جریرؒ (م ۳۱۰ھ / ۹۲۳ء) نے بھی اس بات کو ذکر کیا ہے کہ مرسل روایت کی قبولیت میں دوسری صدی ہجری کے اختتام تک تمام محدثین کا اسی بات پر اتفاق تھا، یہی سلسلہ دو سو سال تک یوں ہی جاری رہا، یعنی دوسری صدی ہجری کے اختتام تک کسی کی طرف سے اس بات پر نکیر نہیں آئی۔

مراسیل قرونِ ثلاثہ اور فقہاء اربعہ کا مؤقف:

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے حدیث مرسل کی فقہی حیثیت پر فقہاء کے مؤقف اور اس سے استدلال کی روایات کا جائزہ بھی پیش کیا ہے جس کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے:

اس بات پر تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ مرسل صحابی مطلقاً قبول ہے، قرن ثانی (یعنی تابعی) کی مراسیل اور قرن ثالث (یعنی تبع تابعی) کی مراسیل احناف کے نزدیک قبول ہیں، امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ / ۷۹۵ء) کے نزدیک

---

(۱) اعلاء السنن، ج۱۸، ص ۸۹۳۵

(۲) واضح رہے کہ اس روایت کو امام نسائی (م ۳۰۳ھ / ۹۱۵ء) نے درست قرار دیا ہے۔ نیز امام ترمذی نے اس کو نقل کیا ہے، دیکھئے: الامام الترمذی، سنن الترمذي، کتاب الفتن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ماجاء في لزوم الجماعة۔

مطلقاً قبول ہیں[۱] جبکہ امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ / ۸۲۰ء) کے نزدیک چند شرائط کے ساتھ قبول ہے۔[۲] ائمہ فقہاء کا اس بارے میں قدرے تفصیل کے ساتھ مؤقف بیان کیا جاتا ہے:

جمہور احناف کے نزدیک مرسل روایت کی قبولیت کی بحث:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے بارے میں عام طور پر یہ بات مشہور ہے کہ وہ مرسل روایت بلا کسی قید کے مطلقاً قبول کرتے ہیں، علامہ آمدیؒ نے اپنی کتاب "الاحکام فی اصول الاحکام" میں ابو حنیفہ ومالکؒ اور مشہور روایت کے مطابق احمد بن حنبلؒ کی طرف منسوب کیا ہے کہ وہ حدیثِ مرسل کو مطلقاً قبول کرتے ہیں[۳]۔ علامہ اسنویؒ نے بھی "نهاية السول" میں مطلقاً حدیث مرسل کو قبول کرنے کو امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمدؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔[۴]

لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور جمہور احناف مطلقاً حدیث مرسل کو قبول کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے مؤقف میں تفصیل ہے جیسا کہ احناف کی اصول کی کتابوں میں تفصیل مذکور ہے، احناف حدیث مرسل کو درج ذیل چار اقسام میں تقسیم کرتے ہیں:

۱ صحابی رضی اللہ عنہ کی مرسل دوسرے علماء وفقہاء کی مانند احناف کے نزدیک بھی حجت ہے کیونکہ صحابی کی روایت میں ایک امکان تو یہ ہے کہ اس نے خود سنی ہوگی اور دوسرا امکان یہ ہے کہ اس نے کسی دوسرے صحابی سے سنی ہوگی اور حدیث بیان کرتے وقت اس کا ذکر نہیں کیا ہو اور یہ بات مجمع علیہ ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنھم عادل ہیں، لہذا صحابی کی مرسل روایت چاروں آئمہ کے نزدیک حجت ہے۔ یہی قول صحیح ہے کہ صحابی رضی اللہ عنہ کی مرسل روایت مقبول ہے، برابر ہے کہ صحابی رضی اللہ عنہ نے اس بات کی تصریح کی ہو کہ وہ صرف ثقہ سے روایت کرتا ہے یا تصریح نہ کی ہو، برابر ہے کہ وہ صحابہ ثقہ سے روایت کرنے میں معروف ہو یا نہ ہو[۵]، اس قول کے صحیح ہونے کے دلائل درج ذیل ہیں:

---

(۱) امام احمد بن حنبل اور جمہور معتزلہ کے نزدیک بھی قرون ثلاثہ کی مراسیل مطلقاً قبول ہیں۔ دیکھئے: اعلاء السنن، ج۱۸، ص۸۹۳۱

(۲) اعلاء السنن، ج۱۸، ص۸۹۳۱

(۳) الآمدی، الامام علی بن محمد، الاحکام فی اصول الاحکام، (الریاض: دار الصمیعی، ۱۴۲۴ھ)، ج۲، ص۱۴۹

(۴) الاسنوی، جمال الدین عبد الرحیم بن الحسن، نهایۃ السول فی شرح منهاج الاصول، (القاهرۃ: عالم الکتب)، ج۳، ص۱۸۹-۱۹۹

(۵) ملا جیون، شیخ احمد، نور الانوار فی شرح المنار، (ملتان: مکتبہ امدادیہ) ص۱۸۸

- صحابہ مرسل احادیث بیان کرتے تھے اور اس پر کبھی کسی صحابی نے انکار نہیں کیا کیونکہ اگر کسی نے انکار کیا ہوتا تو ہم تک پہنچ جاتا۔ چونکہ ہم تک کوئی ایسا انکار نہیں پہنچا لہذا یہ بات واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ صحابی رضی اللہ عنہ کی مرسل روایت کے قبول کرنے پر صحابہ کا اجماع تھا۔
- حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے صغار صحابہ مثلاً عبد اللہ بن زبیر (م ۶۹۲ء)، جعفر بن ابی طالب (م ۶۲۹ء)، نعمان بن بشیر (م ۶۵ھ) رضی اللہ عنھم وغیرہ صحابہ کرام کی روایت کے قبول کرنے پر امت کا اجماع ہے حالانکہ ان صحابہ رضی اللہ عنھم کی اکثر روایات مرسل ہیں۔[۱] ابن الفرکاح، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ "حضرت ابن عباس نے بہت سی احادیث روایت کی ہیں باوجودیکہ بعض حضرات نے کہا کہ انہوں نے آپ ﷺ سے صرف دس احادیث سنی ہیں اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ چار احادیث سنی ہیں، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو بھی حدیث ہم تم کو بیان کریں ضروری نہیں ہے کہ وہ ہم نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو۔"[۲]

۲ قرنِ ثانی اور قرنِ ثالث کی مرسل روایت یعنی کوئی تابعی یا تبع تابعی مرسل روایت ذکر کرے تو احناف کے نزدیک ایسی مرسل روایت بھی حجت ہے بلکہ بعض صورتوں میں مسند (متصل) روایت سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ تابعین اور تبع تابعین کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کسی حدیث کو کئی مختلف سندوں سے سنتے تھے تو وہ ان سندوں کو ذکر کیے بغیر بلا واسطہ کہہ دیتے تھے: "قال رسول الله كذا" اور جب ان تک خبر کسی ایک واسطے سے پہنچتی تھی تو وہ اس کی مکمل سند بیان کرتے تھے تاکہ وہ بات کو اپنے ذمہ نہ لیں بلکہ اس کے ذمہ ڈال دیں جس سے انہوں نے سنی ہے۔[۳] قرنِ ثانی اور قرنِ ثالث کی مرسل روایات کو احناف اس وقت قبول کرتے ہیں جب راوی کے بارے میں یہ بات معروف نہ ہو کہ وہ غیر ثقہ یا غیر عادل سے

---

(۱) نملۃ، الدکتور عبد الکریم، المھذب فی علم اصول الفقہ المقارن، (الریاض: مکتبۃ الرشید، ۱۴۲۰ھ)، ج ۲، ص ۸۱۸

(۲) ابن الفرکاح، تاج الدین الشافعی، شرح الورقات لابن الفرکاح، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۴ھ)، ص ۱۰۱

(۳) الخبازی، جلال الدین ابی محمد عمر بن عمر، المغنی فی اصول الفقہ، (المکۃ المکرمۃ: مرکز البحث العلمیۃ واحیاء التراث الاسلامی، ۱۴۰۳ھ)، ص ۱۹۱

روایت کرتا ہے کیونکہ قرونِ ثلاثہ کے لئے آپ ﷺ نے صدق وخیر کی گواہی دی ہے لہذا اس گواہی کی وجہ سے ان کی عدالت ثابت شدہ ہے جب تک کہ اس کے خلاف کوئی بات نہ ظاہر ہو جائے۔[۱]

۳ اگر قرونِ ثلاثہ سے نچلے درجہ کا کوئی راوی مرسل روایت بیان کرے تو احناف کے نزدیک ایسی روایت مقبول نہ ہو گی مگر اس صورت میں کہ جب راوی کے بارے میں یہ بات مشہور ومعروف ہو کہ وہ خود بھی ثقہ ہے اور وہ صرف ثقہ لوگوں سے ہی ارسال کرتا ہے مثلاً امام محمدؒ(م۱۸۹ھ/۸۰۵ء) کی مرسل روایات۔ ثقہ سے ارسال کرنے میں مشہور ہونے کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق قرونِ ثلاثہ کے بعد جھوٹ وکذب عام ہو جائے گا اور قرونِ ثلاثہ کے بعد والے زمانوں کے لئے آپ ﷺ نے صدق وخیر کی گواہی بھی نہیں دی۔ لہذا جب تک راوی کے بارے میں اطمینان نہ ہو کہ وہ ہمیشہ ثقہ سے ہی ارسال کرتا ہے، اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔[۲]

مرسل اور مسند متصل روایت کا تعارض اور احناف کا مؤقف:

احناف کے نزدیک مرسل کا درجہ مسند متصل سے کم ہے اسی لئے جہاں مرسل اور مسند روایات کا تعارض آجائے تو مسند کو مرسل روایت پر ترجیح دی جائے گی۔ البتہ ماہرین اصول حدیث نے یہ قول بھی اختیار کیا ہے کہ اگر یہ مرسل روایت قیاس کے موافق ہو تو یہ مرسل روایت، مسند کی مانند ہی ہو گی۔ اگر مرسل روایت صحتِ حدیث کے درجہ پر ہو اور اس کی تائید کسی دوسری صحیح روایت سے ہو جائے، خواہ یہ دوسری صحیح روایت، مسند ہو یا مرسل ہو اور ان دونوں مراسیل کے رواۃ مختلف ہوں، تو یہ مرسل روایت صحیح اور مقدم ہو گی۔ اگر ان دونوں مرسل روایات کا تعارض ایک ہی سند کے ساتھ ثابت شدہ مسند روایت کے ساتھ ہو جائے اور ان میں جمع یا تطبیق ممکن نہ ہو تو احناف کے نزدیک تعدد طرق کی بناء پر مرسل روایت کو ترجیح دی جائے گی، اس کی تائید کے طور پر علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے علامہ بدرالدین عینی(م۸۵۵ھ/۱۴۵۱ء) کا قول نقل کیا ہے:

"ان مرسلین صحیحین اذاعارضا مسنداً کان العمل بالمرسلین اولیٰ" [۳]

---

(۱) السرخسی، ابو بکر محمد بن احمد، اصولِ سرخسی، (کراچی: قدیمی کتب خانہ) ج۱، ص۳۷۳

(۲) المغنی فی اصول الفقہ، ص۱۹۱، مزید دیکھئے: اصول السرخسی، ج۱، ص۳۷۳

(۳) اعلاء السنن، ج۱۸، ص۸۹۳۵-۸۹۳۶؛ مزید دیکھئے: السیوطی، حافظ جلال الدین، تدریب الراوی وشرح تقریب النواوی (الریاض: مکتبۃ الکوثر، ۱۴۱۵ھ)، ص۱۲۰-۱۲۲

دو صحیح مرسل روایات کا ایک مسند روایت کے ساتھ
معارضہ ہو جائے تو مرسل روایات کے ساتھ عمل کرنا بہتر
ہے۔

حدیث مرسل سے استدلال اور مذہبِ مالکیہ:

مرسل حدیث کے حجت ہونے کے بارے میں امام مالکؒ کا معروف قول یہ ہے کہ حدیث مرسل قابلِ احتجاج ہے، مالکیہ کی اصولی کتب میں یہی قول متداول ہے۔[۱] امام مالکؒ کے نزدیک حدیثِ مرسل کے حجت ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مؤطا میں بہت سی مرسل روایات ذکر کی ہیں جن کو بلاغاتِ مالک کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے، اس کی کچھ مثالیں ابو زہرہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر کی ہیں۔[۲] البتہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "التمہید" میں حدیث مرسل کے قبول کرنے کے لئے دو شرطیں ذکر کی ہیں کہ ارسال کرنے والا راوی خود ثقہ ہو اور یہ کہ وہ صرف ثقہ راویوں سے ہی ارسال کرتا ہو۔[۳]

حدیث مرسل سے استدلال کی روایات اور امام شافعیؒ کا مؤقف:

حافظ ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ / ۱۰۷۱ء) کے مطابق امام محمد بن ادریس الشافعیؒ (م ۲۰۴ھ) پہلے شخص تھے جنہوں نے اس کے برعکس مؤقف اختیار کیا۔[۴] چنانچہ وہ صرف صحابہ کی مراسیل کو حجت مانتے ہیں، جیسا کہ جمہور فقہاء، صحابہ کی مرسل احادیث کو قبول کرتے ہیں[۵] البتہ وہ غیر صحابی سے مروی مراسیل کی قبولیت کے لئے سخت شرائط عائد کرتے ہیں۔ چنانچہ قاضی ابن الطیب رحمہ اللہ نے امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ حدیث مرسل پر عمل کو درج ذیل شرائط کی موجودگی میں ہی جائز سمجھتے ہیں:

---

(۱) الاحکام فی اصول الاحکام، ج ۲، ص ۱۴۹، مزید دیکھئے: نہایۃ السول فی شرح منہاج الاصول، ج ۳، ص ۱۹۸-۱۹۹،؛ احکام الفصول فی احکام الاصول، ص ۳۵۵،؛ المحصول، ج ۴، ص ۴۵۴

(۲) ابو زہرۃ، محمد، مالک: حیاتہ وعصرہ، آراؤہ وفقہہ، (بیروت: دار الفکر العربی، س ن)، ص ۳۱۵

(۳) ابن عبد البر، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد، التمہید لما في الموطأ من المعاني والأسانید، (المغرب: وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیۃ، ۱۳۸۷ھ)، ج ۱، ص ۱۷

(۴) اعلاء السنن، ج ۱۸، ص ۸۹۳۵؛ مزید دیکھئے: ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ، التمہید، (المغرب: وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیۃ، ۱۳۸۷ھ)، ج ۱، ص ۴

(۵) المحلي، محمد بن أحمد الشافعي، شرح الورقات فی اصول الفقہ، (الریاض: مکتبۃ دار المنہاج، ۱۴۳۱ھ)، ص ۱۸۰

- ارسال کرنے والے راوی کے علاوہ کوئی دوسرا راوی اس کو مسند بیان کرے۔
- صحابی کا اس مرسل روایت پر عمل ثابت ہو یا اس کے مطابق قول ہو۔
- عام اور اکثر علماء اس روایت پر عمل کریں اور اس کے مطابق فتویٰ دیں۔
- ارسال کرنے والا صرف ثقہ لوگوں سے ارسال کرے۔ اسی لیے امام شافعیؒ نے سعید بن المسیب رحمہ اللہ کی مرسل روایات کو حسن قرار دیا ہے کیونکہ یہ روایات ان پر واضح تھیں اور ان کی سند ان کے علم میں تھی۔(۱)
- اس ارسال کرنے والے راوی کے علاوہ کوئی دوسرا راوی کسی دوسرے شیخ سے اس حدیث کو مرسل بیان کرے۔(۲)

فخر الدین رازی رحمہ اللہ "المحصول" میں امام شافعیؒ کا قول نقل کرتے ہیں:

لا اقبل المرسل الا اذا کان الذی ارسلہ مرۃ واسندہ اخریٰ، اقبل مرسلہ،او ارسلہ ھو واسندہ غیرہ وھذا اذا لم تقم الحجۃ باسنادہ او ارسلہ راوٍ آخر ویعلم ان رجال احدھما غیررجال الاخر او عضدہ قول صحابی او قول اکثر اھل العلم،او علم انہ لو نص لم ینص الا علیٰ من یسوغ قبول خبرہ۔(۳)

میں مرسل کو قبول اس وقت کرتا ہوں جب اسے ایک ہی راوی نے مرسلاً اور مسنداً روایت کیا ہو، یا اس ایک راوی نے اسے مرسلاً روایت کیا ہو اور دوسرے نے مسنداً کیا ہو، یہ اس صورت میں ہے جب اس کے مسند ہونے پر کوئی دلیل قائم نہ ہو سکے، اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ان میں سے ایک روایت کے راوی، دوسری روایت سے مختلف ہیں یا اس کی تائید قول صحابی سے ہو یا اہل علم کی اکثریت کا قول یہی ہو۔

---

(۱) المازري، محمد بن علي بن عمر بن محمد التميمي، ایضاح المحصول من برهان الاصول، تحقیق: عمار الطالبي، (الرياض: مكتبة دار المنهاج، ۱۴۳۱ھ)، ص ۴۸۷

(۲) المھذب فی اصول الفقہ المقارن، ج ۲، ص ۸۲۳

(۳) المحصول، ج ۴، ص ۴۶۱

ان شرائط کے لگانے سے امام شافعیؒ کی غرض یہ ہے کہ چونکہ حذف کردہ راوی کی عدالت نامعلوم ہے کیونکہ اس کی شخصیت مجہول ہے اور اس مرسل روایت کے سچ ہونے کا غالب گمان نہیں ہے، لہذا ان شرائط میں سے اگر کوئی شرط پائی جائے گی تو اس سے حدیث میں قوت پیدا ہو جائے گی اور حدیث کے سچ ہونے کا غالب گمان حاصل ہو جائے گا لہذا وہ حدیث قابلِ عمل ہو گی لیکن اس کے باوجود مرسل روایت متصل سے کم درجہ پر ہو گی۔

حدیث مرسل اور حنابلہ کا مؤقف:

ابن قیم جو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اصول و قواعد سے بہت زیادہ واقف ہیں انہوں نے حدیثِ مرسل کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ کا مؤقف یہ بیان کیا ہے کہ حدیث مرسل اور ضعیف پر عمل کیا جائے گا اگر اس بارے میں کوئی اور حدیث اس کے مخالف نہ ہو اور امام احمد رحمہ اللہ حدیث مرسل اور ضعیف کو قیاس پر ترجیح دیتے ہیں۔[۱] اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ مرسل حدیث کو قبول کرتے ہیں لیکن درجہ میں اس کو مسند (متصل) سے کم قرار دیتے ہیں اور قیاس اور رائے پر مرسل کو ترجیح دیتے ہیں۔

ابو زہرہ اپنی کتاب میں مرسل کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ کی رائے ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے مرسل کو ضعیف احادیث میں شمار کیا ہے جن کی اصل مردود ہونا اور غیر مقبول ہونا ہے، اسی لئے انہوں نے مرسل پر صحابہ کے فتاوی کو مقدم کیا ہے حالانکہ وہ صحابہ کے فتاویٰ کو صحیح حدیث پر کبھی بھی مقدم نہیں کرتے۔ چنانچہ مقدم کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ وہ اس کو ضعیف شمار کرتے ہیں اور صحیح شمار نہیں کرتے۔[۲]

حدیث مرسل کے حجت ہونے کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب کو درج ذیل نکات کی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے:

- امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جمہور کے ساتھ اس بات پر متفق ہیں کہ صحابہ کی مرسل روایات بلا کسی قید مقبول ہیں۔
- غیر صحابی کی مرسل اس وقت حجت ہو گی جب اس کے خلاف کوئی اور نص، صحابی کا قول یا اجماع موجود نہ ہو۔
- صحابی کا فتویٰ، غیر صحابی کی مرسل روایت پر مقدم ہو گا۔

---

(۱) اعلام الموقعین، ج ۲، ص ۵۵

(۲) ابو زھرۃ، محمد، ابن حنبل: حیاتہ وعصرہ، آراؤہ وفقھہ، (بیروت: دار الفکر العربی، س ن)، ص ۲۶۷

- مرسل روایات قیاس پر مقدم ہیں۔
- مرسل روایات بھی درجہ کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں جیسا کہ ضعیف روایات کے مختلف درجے ہیں۔
- متصل روایت مرسل روایت پر مقدم ہوگی۔[۱]

حدیثِ مرسل سے استدلال میں اختلاف کے اثرات:

مندرجہ بالا گفتگو میں حدیث مرسل سے استدلال اوراس کی روایات پر اعتماد کرنے کے سلسلے میں ائمہ فقہ کے مؤقف کو قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد ائمہ فقہ کی آراء میں اختلاف کے جو اثرات فقہی مسائل پر مرتب ہوتے ہیں ان کا ایک جائزہ لے لیا جائے تاکہ ایک مبتدی کے سامنے حدیث مرسل سے استدلال میں ائمہ فقہ کے اختلافات کی تفہیم واضح ہو جائے، ذیل میں نمونے کے طور پر چند فروع پیشِ خدمت ہیں:

۱: نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹنے کا مسئلہ

احناف کے نزدیک نماز میں قہقہہ لگانا ناقض وضو ہے اور نماز بھی باطل ہو جاتی ہے، اس مسئلہ میں استدلال اس روایت سے ہے جس میں ہے کہ ایک آدمی نماز میں ہنس پڑا تو نبی کریم ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ دوبارہ وضو کر کے نماز پڑھے۔[۲]

امام شافعیؒ اور جمہور علماء کے نزدیک دورانِ نماز قہقہہ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، یہ حضرات مندرجہ بالا حدیث پر اس لئے عمل نہیں کرتے کہ یہ مرسل ہے۔[۳] اصولی اختلاف کے علاوہ مزید یہ بھی ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ دورانِ نماز تو ایک چیز ناقضِ وضو ہو جبکہ نماز سے باہر ناقض وضو نہ ہو۔[۴] جو فقہاء، قہقہہ کے ناقض وضو ہونے کے قائل نہیں ہیں ان کے مذہب کے دلائل دیتے ہوئے ابن قدامہ (م ۶۲۰ھ / ۱۲۲۳ء) نے اپنا مؤقف "المغنی" میں بیان کیا ہے کہ ہماری دلیل یہ ہے جس چیز سے وضو نماز سے باہر نہیں ٹوٹتا، اس سے نماز کے اندر بھی وضو نہیں ٹوٹتا جیسے بات چیت ہے۔ مزید یہ کہ قہقہہ ناپاکی نہیں ہے اور نہ اس سے ناپاکی پیدا ہوتی ہے اور کسی چیز کا

---

(۱) ابوزھرۃ، محمد، ابن حنبل: حیاتہ وعصرہ، آراؤہ وفقھہ، (بیروت: دارالفکر العربی، س ن)، ص ۲۶۷

(۲) قہقہہ لگانے سے وضو کا اعادہ کرنے کے بارے میں جو احادیث نصب الرایۃ میں ہیں، وہ ملاحظہ کیجئے: الزیلعی، جمال الدین ابی محمد عبد اللہ بن یوسف الحنفی، نصب الرایۃ، (بیروت: مبطعۃ دارالمامون، ۲۰۰۳ء)، ج ۱، ص ۴۷

(۳) الزیلعی، نصب الرایۃ، ج ۱، ص ۴۷-۵۳

(۴) ابن رشد القرطبی، محمد بن احمد، بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد، (بیروت: دارالمعرفۃ، ۱۴۰۲ھ)، ج ۱، ص ۴۰

وجوب شارع سے ثابت ہوتا ہے اور شارع کی طرف سے کوئی ایسی صراحت نہیں جس سے معلوم ہو کہ قہقہہ ناقضِ وضو ہے اور نہ ہی یہ قیاس کے لئے کوئی دلیل ہے۔ قہقہہ کے ناقضِ وضو ہونے کے قائلین جو حدیث پیش کرتے ہیں ،وہ مرسل ہے اور ثابت نہیں ہے۔ فریقِ مخالف اس مسئلہ میں صحیح روایات کو تو اس لئے رد کر دیتا ہے وہ اس کے اصول کے خلاف ہیں، تو یہاں محدثین کے نزدیک جو ضعیف روایت ہے اس میں اپنے اصول کی کیسے مخالفت کر رہا ہے۔[۱]

زیلعیؒ نے "الکامل" میں ابن عدی سے امام شافعیؒ اور حسن بن زیاد (م ۲۰۴ھ / ۸۱۹ء) کا اس مسئلہ میں ایک مکالمہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ امام شافعیؒ نے حسن بن زیاد کو دیکھا تو ان سے پوچھا: اگر کوئی شخص پاک دامن عورت پر نماز میں تہمت لگا دے تو اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ حسنؒ نے کہا کہ نماز باطل ہو جائے گی۔ پوچھا کہ وضو کا کیا حکم ہے؟ حسنؒ نے کہا کہ وضو برقرار رہے گا۔ پھر امام شافعیؒ نے پوچھا کہ اگر نماز میں ہنسی نکل جائے تو پھر کیا حکم ہے؟ حسن نے کہا کہ نماز اور وضو دونوں باطل ہو جائیں گے تو امام شافعیؒ نے فرمایا: پھر تو نماز میں ہنسنا پاک دامن عورت پر تہمت لگانے سے زیادہ بڑا گناہ ہوا؟ اس طرح امام شافعیؒ نے حسن بن زیادؒ کو لاجواب کر دیا۔[۲]

۲: نفل روزہ توڑنے کی صورت میں قضاء کا وجوب

احناف اور مالکیہ کے نزدیک اگر کسی نے نفل روزہ توڑ دیا تو اس کی قضاء واجب ہے ، دلیل حضرت عائشہؓ (م ۵۸ھ / ۶۷۸ء) کی یہ حدیث ہے ، فرماتی ہیں: میں اور حضرت حفصہ (م ۴۵ھ / ۶۶۵ء) نے ایک دن نفل روزہ رکھا، ہمیں کچھ کھانا بھیجا گیا تو ہم نے روزہ توڑ دیا، نبی کریم ﷺ جب گھر میں داخل ہوئے تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ دریافت کرنے میں پہل کر لی۔ وہ بھی اپنے باپ کی بیٹی تھی، نبی اکرم ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی جگہ دوسرے دن روزہ رکھنا۔[۳]

امام شافعیؒ اور جمہور کے نزدیک مذکورہ صورت میں قضاء واجب نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث مرسل ہے[۴]، امام شافعیؒ "الام" میں فرماتے ہیں کہ اگر نفل روزہ کسی نے بغیر عذر توڑ دیا تو یہ ناپسندیدہ بات ہے لیکن اس پر

---

(۱) ابن قدامۃ المقدسی، ابو محمد عبد اللہ بن احمد، المغنی، (الریاض: دار عالم الکتب، ۱۴۱۷ھ)، ج ۱، ص ۱۷۷-۱۷۸

(۲) الزیلعی، نصب الرایۃ، ج ۱، ص ۵۳

(۳) ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، السنن لابی داؤد (قاھرۃ: دار احیاء الکتب العربیۃ، س ن)، باب من رای علیہ القضاء

(۴) مرسل ہونے کی دلیل کے لئے دیکھئے: نصب الرایۃ، ج ۲، ص ۴۶۶؛ نیل الاوطار، ج ۴، ص ۲۵۸، ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، محقق: فواد عبد الباقی (بیروت: دار المعرفۃ، لبنان، ۱۳۷۹ھ)، ج ۴، ص ۱۵۴

قضاء واجب نہیں ہے۔ بعض حضرت اس مسئلہ میں ہم سے مختلف مؤقف رکھتے ہیں، ان کے نزدیک قضا واجب ہے، ان کا مؤقف یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی چیز کا آغاز کر دے تو گویا اس نے اسے اپنے اوپر لازم کر دیا ہے، دلیل امام زھریؒ کی یہ حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ کو قضا کا حکم دیا تھا، امام شافعیؒ فرماتے ہیں: اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے، کیونکہ اسے امام زھریؒ نے ایسے شخص سے روایت کیا ہے جسے ہم نہیں جانتے اور اگر حدیث ثابت ہو تو پھر اس بات کا احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں یہ حکم اس حیثیت سے دیا ہو کہ اگر وہ چاہیں تو دوسرے دن روزہ رکھ لیں، واللہ اعلم۔ ایسے ہی نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ جاہلیت میں جو نذر مانی ہے اس کی قضا کریں۔ اس کا مفہوم بھی یہ تھا کہ اگر چاہیں تو وہ نذر پوری کر لیں۔ (۱)

اگر یہ حدیث متصل اور ثابت ہے تو پھر بعض فقہاء نے اسے قضاءِ رمضان پر محمول کیا ہے تا کہ حضرت عائشہ اور ام ھانی رضی اللہ عنھما کی حدیث میں تطبیق ہو جائے۔ ام ھانی رضی اللہ عنھا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے پانی پینے کے بعد پانی پینے کے لئے مجھے دیا تو میں ے کہا میں روزے سے ہوں لیکن آپ ﷺ کے پیئے ہوئے پانی کو واپس کرنا بھی پسند نہیں کرتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اگر رمضان کی قضاء کر رہی ہو تو اس کی جگہ کسی اور دن قضاء کر لینا اور اگر نفل روزہ ہے تو پھر چاہو تو قضاء کر لو اور چاہو تو قضاء نہ کرو۔"(۲) نفل روزہ کی قضا کے عدم وجوب پر حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بطور دلیل پیش کی جا سکتی ہے کہ حضرت ابو جحیفہ فرماتے ہیں: "نبی کریم ﷺ نے حضرت سلیمان اور ابو الدرداء رضی اللہ عنھما کے درمیان رشتہ مؤاخات (بھائی چارے کا رشتہ) قائم کیا۔ حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ، ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے لئے تو دیکھا کہ ام درداء پریشان حال بیٹھی ہیں، پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ کے بھائی ابو الدرداء کو دنیا سے کوئی غرض ہی نہیں ہے، جب ابو الدرداء آئے تو سلیمان رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے کھانا تیار کیا، ابو الدرداء نے کہا کہ تم کھاؤ، میرا تو روزہ ہے، حضرت سلیمان نے کہا کہ جب تک آپ نہیں کھائیں گے، میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ چناچہ ابو الدرداء نے کھانا کھایا۔ جب رات ہوئی تو ابو الدرداء، نماز کے لئے اٹھے تو حضرت سلیمان نے کہا سو جاؤ، تو وہ سو گئے، پھر اٹھ کر نماز پڑھنے لگے تو کہا کہ سو جاؤ، جب رات کا آخری حصہ داخل ہوا تو کہا کہ اٹھ کر نماز پڑھو، دونوں نے نماز پڑھی پھر حضرت

---

(۱) الشافعی، ابو عبد اللہ محمد بن ادریس، کتاب الام (الریاض: بیت الافکار الدولیۃ، س ن)، ج ۲، ص ۱۰۳

(۲) یہ حدیث امام احمدؒ نے روایت کی ہے اور اس معنٰی میں ابو داؤد نے بھی روایت کی ہے۔

سلیمان نے کہا: "تیرے رب کا بھی تجھ پر حق ہے، تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے ،ہر حقدار کو اس کا حق دو"، تو ابو الدرداء، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ ذکر کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ سلیمان نے درست کہا۔ (۱) یہاں دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابو الدرداء کی تائید کی ہے ،لیکن قضاء کا حکم نہیں دیا حالانکہ جہاں بیان کی ضرورت ہو وہاں بیان میں تاخیر جائز نہیں ہے۔ (۲)

۳۔ مس مراۃ سے وضو ٹوٹنے کا مسئلہ

احنافؒ کے نزدیک عورت کو ہاتھ لگ جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اس کی دلیل ابراہیم تیمیؒ کی وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب اپنی کسی زوجہ کا بوسہ لیتے تھے تو تجدید وضو کے بغیر نماز پڑھ لیتے تھے، اسے ابو داؤدؒ اور امام نسائیؒ نے روایت کیا ہے، ابو داؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ ابراہیم تیمیؒ کا سماع حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے نہیں ہے، امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ: اس باب میں اس سے بہتر حدیث نہیں ہے، اگرچہ یہ مرسل ہے۔ (۳)، جبکہ امام شافعیؒ یہ حدیث اس سند سے نقل کرتے ہیں: "معبد بن نباتہ عن محمد بن عمر عن ابن عطاء عن عائشہ" امام شافعیؒ کے نزدیک غیر محرم عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، خواہ ہاتھ شہوت سے لگایا ہو یا بغیر شہوت کے۔ امام مالکؒ کے نزدیک ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹنے کی شرط یہ ہے کہ ہاتھ شہوت یا لذت سے لگایا ہو یا قصداً لگایا ہو۔ (۴)، امام احمد بن حنبلؒ کی اس مسئلہ میں تین روایات ہیں: اول امام شافعیؒ کے مسلک کے موافق ہیں، دوسری امام مالکؒ اور تیسری احنافؒ کے مسلک کے موافق ہے۔ (۵)

امام شافعیؒ کی دلیل یہ آیت "اوْلٰمَسْتُمُ النِّسَا" (۶) ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک لمس کا حقیقی معنیٰ ایک جسم کا دوسرے کے ساتھ چھو جانا ہے، ربیعؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: چھونا تو ہاتھ سے ہوتا

---

(۱) البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری (بیروت: دار ابن کثیر، ۱۴۲۳ھ)، کتاب الصوم، "باب من اقسم علی اخیہ لیفطر فی التطوع"

(۲) نیل الاوطار، ج ۴، ص ۲۸۹؛ مزید دیکھئے: فتح الباری، ج ۴، ص ۱۵۰

(۳) الشوکانی، محمد بن علی، فتح القدیر (بیروت: دار المعرفۃ، ۱۹۹۰ء)، ج ۱، ص ۳۷، مزید دیکھئے: نیل الاوطار، ج ۱، ص ۱۹۵،

(۴) ابن رشد القرطبی، محمد بن احمد، بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد (بیروت: دار المعرفۃ، ۱۴۰۲ھ)، ج ۱، ص ۳۷

(۵) المغنی لابن قدامۃ، ج ۱، ص ۱۹۲

(۶) المائدہ 06:05

ہے، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ملامسہ [۱] سے منع فرمایا ہے۔ امام شافعیؒ، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو مستدل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ کسی شخص کا اپنی بیوی کا بوسہ لینا یا اسے ہاتھ سے روکنا لمس کے حکم میں ہے۔ اگر کسی نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا یا ہاتھ سے روکا تو اس پر لازم ہے کہ وضو کرے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے قریب تر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول بھی ہے۔ [۲] ابن کثیر نے آپ کا یہ قول نقل فرمایا ہے نیز اس کے چند مزید طرق کا بھی ذکر کیا ہے:

اللمس ما دون الجماع-وقد رواه من طرق متعددة عن ابن مسعود بمثله.
وروي من حديث الأعمش، عن إبراهيم، عن أبي عبيدة، عن عبد الله بن مسعود قال: القبلة من المس، وفيها الوضوء. [۳]

احناف جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں امام شافعیؒ اسے مرسل ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کرتے، اس کی جو سند امام شافعیؒ نے نقل کی ہے وہ سند تو متصل ہے لیکن راوی مجہول الحال ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں: "معبد کے بارے میں ، میں نہیں جانتا اگر ثقہ ہے تو یہ روایت حجت ہے"۔ [۴]

۴۔ مرسل حدیث اور قیاس میں معارضہ کی مثال:

سوال یہ ہے کہ خریدار کے مفلس ہونے یا مرنے کی صورت میں جب قیمت لینا مشکل ہو تو آیا فروخت کنندہ اپنا مال واپس لے سکتا ہے؟

جب کوئی شخص کسی کو کوئی چیز قیمتاً فروخت کر دے اور پھر خریدار مفلس ہو جائے یا افلاس کی حالت میں مر جائے اور بیچنے والے کا مال خریدار کے مال یا ترکہ میں بعینہ اسی طرح ہو تو آیا یہ شخص اپنا مال واپس لینے کا حق رکھتا ہے یا دیگر قرض خواہوں کے ساتھ ایک قرض خواہ کی حیثیت سے اپنا حصہ وصول کر سکتا ہے؟ امام مالکؒ کا مؤقف یہ ہے کہ صرف مفلس ہونے کی صورت میں اپنا مال واپس لے سکتا ہے، لیکن وفات کی صورت میں دیگر قرض خواہوں کے ساتھ برابر کا حقدار ہے۔ ان کی دلیل ایک حدیث مرسل ہے: ابن شہاب، ابو بکر بن عبد الرحمٰن بن حارث بن ھشام سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایما رجل باع متاعاً فافلس الذی ابتاعہ منه ولم یقبض الذی

---

(۱) محض ہاتھ لگانے سے سودا ہو جائے اور کسی فریق کو اختیار باقی نہ رہے۔ (مترجم)

(۲) الام، ج۱، ص۱۵-۱۶

(۳) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۳۹۷ھ)، تحت قولہ تعالیٰ: أَوْلَامَسْتُمُ النِّسَاءَ

(۴) الام، ج۱، ص۱۵-۱۶

باعه من ثمنه شيئاً فوجده بعينه فهواحق به وان مات الذى ابتاعه فصاحب المتاع فيه اسوة الغرماء-(اگر کسی شخص نے مال فروخت کیا اور خریدار مفلس ہو گیا اور خریدار سے ابھی تک کچھ قیمت وصول نہیں کی اور اپنا مال خریدار کے پاس پالیا تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے اور اگر خریدار مر جائے تو بیچنے والا دیگر قرض خواہوں کے برابر ہے۔)

ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں: مؤطا کے تمام نسخوں میں اسی طرح ہے اور تمام راوی امام مالک سے اسے مرسل روایت کرتے ہیں۔[1]

موت اور مفلس ہونے میں جو فرق ہے اس کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو بھی اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ کیونکہ افلاس کی حالت میں یہ ممکن ہے کہ حالات بہتر ہو جائیں، تو دیگر قرض خواہ جو کچھ اس کے ذمہ باقی ہے وصول کر لیں گے۔ لیکن مرنے کی صورت میں اس کا امکان نہیں ہے، کیونکہ موت نے اسے اس ذمہ سے سبکدوش کر دیا ہے اور کوئی ایسی جگہ نہیں جس کی طرف وہ (قرض خواہ) رجوع کریں۔[2]، امام احمدؒ کا بھی یہی مذہب ہے، امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ فروخت کنندہ کا مطلقاً یہ حق ہے کہ اپنا مال واپس لے لے، خواہ افلاس کی صورت ہو یا موت کی، امام شافعیؒ کی دلیل ابن ابی ذئب کی یہ حدیث ہے جسے وہ ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ایما رجل مات او افلس فصاحب المتاع احق بمتاعه اذا وجد بعينه" [3] (اگر کوئی شخص مر جائے یا مفلس ہو جائے تو بیچنے والا اپنے مال کا زیادہ حقدار ہے اگر اس کا مال بعینہ اسی طرح خریدار کے پاس ہو)۔ احناف کے نزدیک اگر کوئی شخص دیوالیہ ہو جائے اور اس کے پاس کسی شخص کا مال اسی طرح پڑا ہو تو وہ دیگر قرض خواہوں کے ساتھ برابر کا حقدار ہے، یہی حکم موت کی صورت میں بھی ہے۔ احناف حدیث کے ظاہری مفہوم کو اس لئے نہیں لیتے ہیں کہ یہ خبر واحد ہے اور اس کا ظاہر، اصول کے خلاف ہے، کیونکہ جب چیز خریدار کی ملک اور ضمان میں چلی گئی تو اب بیچنے والے کا حق ثابت کرنے سے خریدار کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ حدیث کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ بائع کے مال سے مراد امانت، عاریت یا گمشدہ چیز ہے، لیکن اس پر اعتراض ہے کہ اگر یہ صورت مراد ہوتی تو افلاس کی قید نہ

---

(۱) مؤطا امام مالک، ج ۲، ص ۶۷۸

(۲) بدایۃ المجتہد، ج ۲، ص ۲۸۸، مزید دیکھئے: العدۃ (حوالہ سابق)، ج ۴، ص ۱۲۱

(۳) الام، ج ۳، ص ۱۹۹، نوٹ: اس حدیث کی سند امام مسلمؒ نے کتاب المساقاۃ (۱۵۵۹) میں ، بخاری نے کتاب الاستقراض، باب ۱۴ میں ذکر کی ہے۔

ہوتی اور پھر اسے زیادہ حقدار نہ کہا جاتا کیونکہ "افعل" کا صیغہ اشتراک کے لئے ہے جبکہ عاریت (ادھار چیز) یا گمشدہ چیز تو صرف مالک کی ہوتی ہے۔[۱]

نمونے کے طور پر یہ چند مسائل پیش کیے گئے ہیں ورنہ تو اس ضمن میں بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

قرونِ ثلاثہ کی مرسل روایات کا درجہ۔۔صاحب اعلاء السنن کا موقف:

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ اس مبحث کے بعد اپنی رائے کا اظہار اس طرح سے کرتے ہیں کہ احنافؒ کے قواعد حدیث کے مطابق وہ تمام رواۃ جن کی مراسیل قرن ثانی (تابعین) اور قرنِ ثالث (تبع تابعین) سے تعلق رکھتی ہیں، مطلقاً قبول ہیں۔ البتہ ان تین طبقات کے بعد آنے والے رواۃ کی مراسیل پر جرح کی جاسکتی ہے۔ قرون ثلاثہ کے بعد جن رواۃ کی مراسیل کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، ان میں اکثر تدلیس کو قبول کر لیتے تھے اسی لئے ان کے بارے میں ارسال اور تدلیس ایک ہی درجہ میں ہیں۔ اگر مدلس قرونِ ثلاثہ کے رجال میں شامل نہ ہو تو اس کی روایت قبول نہیں ہوگی۔ اسی طرح معنعن حدیث بھی امام بیہقی، ابن عبد البر کے نزدیک مردود ہے۔[۲]

اسی طرح جن ائمہ حدیث کی ثقاہت اور علمی دیانت پر اہل علم کا اتفاق ہے، ان کی مرسل روایات بھی مقبول ہیں جیسا کہ امام زہری، حضرت قتادۃ، عطاء بن ابی رباح اور ان جیسے دوسرے ائمہ فن حدیث کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیوں کہ یہ ائمہ فن انہی راویوں کی مرسل روایات کو قبول کرتے ہیں، جن کے متصل ہونے میں ان کو شبہ نہیں ہوتا۔[۳]

خلاصہ بحث:

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے مقدمۃ اعلاء السنن میں پانچویں فصل حدیث مرسل کے بارے میں "احکام المرسل من الاحادیث والاخبار والمدلس منها والمعلق والمنقطع والمعضل"[۴] کے عنوان سے پیش کی ہے۔ علامہ عثمانیؒ

---

(۱) الہدایۃ، ج۷، ص۳۳۱، مزید دیکھئے: العدۃ حاشیۃ العمدۃ، ج۴، ص۱۲۱

(۲) اعلاء السنن، ج۱۸، ص۸۹۴۳

(۳) اعلاء السنن، ج۱۸، ص۸۹۴۳

(۴) علامہ ظفر احمد عثمانیؒ اس پر مزید یہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عبد البرؒ نے ائمۃ حدیث سے نقل کیا ہے کہ سفیان بن عیینۃ کی تدلیس قبول ہے کیونکہ جب وہ (ابن عیینۃؒ) کسی روایت پر توقف کرتے ہیں تو ابن جریج اور معمر اور ان جیسے اہلِ علم پر اعتماد کرتے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: اعلاء السنن، ج۱۸، ص۸۹۳۱

کے نزدیک حدیث مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند کے آخر سے کوئی راوی گرا ہوا ہو اور وہ تابعی کا (براہِ راست) رسول اللہ ﷺ کے قول یا فعل کو نقل کرنا ہے اور بسا اوقات ارسال کا لفظ، سند میں کسی بھی واسطہ میں انقطاع پر بولا جاتا ہے۔ اس کے بعد علامہ ظفر احمد عثمانی نے حدیث مرسل کی فقہی حیثیت پر اہل علم کی آراء کو بالترتیب: قرونِ ثلاثہ کی مراسیل پر فقہاء کا مؤقف، قرونِ ثلاثہ کے بعد کی مراسیل کے مقبول ہونے کا معیار، مرسل اور مسند متصل روایت کا تعارض اور احناف کا مؤقف، مرسل روایت کا مسند روایت سے تقویت پانا، مراسیل ثقہ، مراسیلِ غیر ثقہ، تابعین و تبع تابعین کی ضعیف مراسیل، قرونِ ثلاثہ کی مدلس و مرسل روایات کا درجہ بیان کیا گیا ہے۔

آخر میں تقابل کے طور پر حدیث مرسل سے استدلال پر ائمہ فقہ کے مناہج کو بھی پیش کیا گیا ہے اور ان مناہج کے اختلاف کی بناء فقہی مسائل کے استنباط و حل پر اختلافات کے اثرات کو بھی پیش کیا گیا ہے۔۔